فن مناظرہ کے تربیتی اسالیب

(حضرت امام رضاؑ کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں کے تناظر میں)

سلیمان موحدی راد[۱]
ترجمہ: سید نامدار عباس رضوی

خلاصہ:

پیش نظر تحقیق ولایت و امامت کے آٹھویں درخشندہ ستارے حضرت امام رضا علیہ السلام کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں کے تناظر میں، فن مناظرہ[۲] کے تربیتی اصول بیان کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہے۔ یہ تحقیق مسیحی، یہودی، صابئی (ستارہ پرستوں) اور بعض غیر مسلم دانشوروں اور شاگردوں سے امام رضا علیہ السلام کے مناظروں کے اسالیب کی تشریح و توضیح بیان کرتی ہے۔ مذکورہ اصولوں میں بیشتر خود ساختہ اصول تھے، جیسے: منطق جدلی کے استدلال، بغرض تاکید سوال کرنا، مدّ مقابل کے مقبولات کو کام میں لانا، مخاطب سے اقرار لینا، مخاطب کی باتوں کو بیان کرنا، گفتگو (بیان) کی معقول تنظیم، منطقی دلائل سے باطل دلائل کو رد کرنا، مخاطب کی زبان میں گفتگو کرنا، حریف مقابل کے حق آزادی کو ملحوظ رکھنا، توجہ کرنا، صاف گوئی، مستند بیانی، انداز گفتگو میں تنوع، مخاطب کی تشویق، حریف کے سوال پر سوال کرنا، مخاطب کی فہم و فراست کے مطابق دلائل پیش کرنا، رفاقت اور نرمی، انصاف کی رعایت کے لیے یاد دہانی، حاضرین سے اقرار لینا، ایک استدلال سے دوسرے استدلال کی جانب جانے کا امکان، تحکمانہ انداز کے مقابلے گزارشانہ رویہ اختیار کرنا۔

انسان صاحب فکر اور صاحب زبان موجودات میں سے ہے، اس کی سعادت و شقاوت کا انحصار اس کی اپنی عقل و خرد سے فائدہ اٹھانے پر منحصر ہے، اپنے افکار کو بیان کے سانچے میں ڈھالنا اور دوسرے لوگوں سے روابط استوار کرنا ہی درحقیقت عقل کا استعمال کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ منطقی اور عاقلانہ برتاؤ کرے۔

بعض اوقات انسان اپنی فکری حقانیت کو مخالفوں کے مقابلے میں ثابت کرنا چاہتا ہے، یا ان کی غیر عاقلانہ اور باطل فکروں کے مقابلے میں عقلی دلائل پیش کرنا چاہتا ہے، یہ نفی و اثبات کا عمل

اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان اپنے افکار کو فصیح پیرائے میں ڈھالے اور دوسروں کے سوالات کے مقابلہ میں عاقلانہ دلائل پیش کرے ، اور اس کی بیان کردہ تمام باتوں کے پیچھے ایک واضح دلیل ہو جسے ہر عقل سلیم قبول کرتی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خارجی حقائق کا علم حتی بدیہی علوم بھی اختلافات سے مبرّا نہیں ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان حقائق کی ''نفی و اثبات'' میں لوگوں کے نظریات مختلف نہ ہوتے ، یعنی بعض مقامات میں کسی ایک ہی موضوع پر کچھ لوگوں کا ''مثبت'' اور کچھ لوگوں کا ''منفی'' نظریہ ہوتا ہے، اور کسی موضوع میں دو متضاد عقائد سے گریز بھی نہیں کیا جا سکتا ، یہاں تک کہ کبھی کبھی ایک ہی انسان اپنی پوری علمی زندگی میں ایک ہی موضوع میں دو متضاد عقائد کا حامل نظر آتا ہے ۔ ان اختلافات کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک انسان کسی موضوع کے وجود کو خارجی دنیا میں تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی حق اور ثابت ہے، جبکہ دوسرا انسان اسے خرافات محض اور مفروضہ سے زیادہ نہیں سمجھتا اور وہ یہ کہتا ہے کہ خارج میں اس کا کوئی اثر موجود نہیں ہے، چنانچہ اس طرح ایک انسان جس کو جوش مارتا ہوا سمندر سمجھتا ہے وہی سمندر دوسرے انسان کی نگاہ میں سوکھا ہوا چشمہ ، خشکی اور سراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اور کبھی اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے یعنی ایک انسان جسے سراب سمجھ رہا ہوتا ہے دوسرا انسان اس کو موجیں مارتا ہوا سمندر تسلیم کرتا ہے لہٰذا ایک شخص اس پر ایمان لے آتا ہے جبکہ دوسرا اپنے کفر پر باقی رہتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لئے جو اشیاء کی حقیقت کو درک کرنے والی ایک بڑی قوت ہے، ضروری ہے کہ حقیقتیں جیسی ہیں انہیں ویسی ہی پہچانے ، اور شناخت کا ایسا معیار پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کے پاس ایسا میزان ہو جس کے ذریعہ وہ گمراہی اور بے راہ روی سے بچ سکے اور اس میں گتھیاں سلجھانے کا سرا پہچاننے کی قوت پیدا ہو جائے ،اگر سارے مفکر، فلسفی ایک ایسا میزان جو لغزشوں سے پاک ہو اسے اپنا نصب العین بنا لیں تو یقیناً وہ حق اور حقیقت کو درک کر لیں گے۔ اسی طرح کے کامل فلسفی کو امام کہتے ہیں اور بقیہ تمام فلسفی اس کامل فلسفی کی امت، حواری، اصحاب اور شاگردوں کی صف میں شمار ہوتے ہیں ، کیونکہ کامل فلسفی تو بس وہی عالم ربانی ہے اور دنیا بھر کے بقیہ مفکرین الٰہیات کے مباحث میں کامیابی اور نجات کی راہ کے طالب علم ہیں۔

اس ہدف تک رسائی کی متعدد راہیں ہیں ،اور اثبات حق کے لیے وہ بہترین راستہ جسے بشر اختیار کر سکا وہ یہی مناظرہ اور جدال احسن ہے ، ایک ایسا راستہ (طریقہ) کہ جس کی سفارش خود

خداوند عالم نے اپنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو کی تھی ۳ اور ائمہ طاہرین ،علماء اور اسلامی دانشوروں نے اس سے خوب فائدہ بھی اٹھایا۔

اس مقالہ میں پرستاران حق اور طرفداران باطل کے درمیان مناظرات و احتجاجات کے عظیم ذخیروں سے ان فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو امام رضا علیہ السلام اور اس زمانے کے علماء و دانشوروں کے مابین برپا ہوئے تھے، امام رضا علیہ السلام یعنی وہی امام برحق جن کے یہاں فلسفہ اور حکمت الٰہیہ اپنے کمال پر ہوتی ہے، اور جملہ مفکرین ان کے بتائے ہوئے خط مستقیم کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں ، اس مقام پر حضرت امام رضا علیہ السلام کے خاص مناظراتی اصولوں پر نظر ڈالی جائے گی۔

بیان مسئلہ:

ممکن ہے امام رضا علیہ السلام کے مناظروں کی تاریخی حیثیت، حجیت سند، موضوعات، فلسفی اور کلامی بنیاد اور اس کے تربیتی اسالیب پر غور وفکر کی جائے اور تحقیق کی جائے ،لیکن چونکہ پیش نظر مقالہ ان مناظروں کی تاریخی حیثیت ، سند کی حجیت یا اس کے فلسفیانہ ارکان کو بیان کرنے کے لیے نہیں لکھا گیا ہے بلکہ اگر قرآن کریم کی اس صراحت بیانی کو پیش نظر رکھیں جہاں خداوند عالم فرماتا ہے:

"ادع الی سبیل ربّک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالّتی هی احسن"

یعنی لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ دعوت دو اور ان کے ساتھ (مقابلہ کے لیے) احسن طریق اپناؤ۔ ۴ تو یہ کہنا مناسب ہو گا کہ اس تحقیق کی بنیاد دراصل امام رضا علیہ السلام کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں کے تناظر میں تعلیم و تربیت کے بعض نظریات کا تجزیہ کرتا ہے تا کہ "جدال احسن کی روش جو درحقیقت سلیقہ مناظرہ ہے" اسے ان کے مناظروں کے درمیان سے منتخب کر کے اس کے تربیتی گوشوں کی نشاندہی کی جا سکے۔

اسلامی تعلیم و تربیت میں تربیتی جہتوں کو بیان کرتے وقت مختلف نظریات کا سامنا ہوتا ہے، موجودہ نظریات میں سے جن پر پیش نظر تحقیق کی بنیادیں استوار ہیں وہ دینی متون سے امام رضا علیہ السلام کے مناظروں پر مبنی تربیتی اسالیب کا استنباط و استخراج ہے چونکہ جملہ انبیائے الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے طریق ہدایت میں مناظرہ کے اسالیب کو تربیتی اسلوب بنا کر پیش کیا گیا

ہے لہٰذا تربیت کے طور طریقوں میں دینی متون نیز وہ مناظرے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے منسوب ہیں ان پر پھر سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ اس اسلوب کے تربیتی گوشوں کو روشن کیا جاسکے۔

اگر مناظرہ کے معنی حقیقت کے چہرے کو آشکار کرنے کے لیے فکروں کے درمیان ٹکراؤ تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نظام تعلیم و تربیت میں یہ ایک بے حد قدیمی طریقہ اور اصول ہے لیکن اسلامی افکار و ثقافت میں علمی نہج اور اسلوب پر مبنی مناظرہ کی خاص اہمیت ہے، اور اس تاکید کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صاحبان عقل و خرد کے درمیان ہونے والے مناظروں کے سبب راہیں روشن ہو جاتی ہیں، حقیقتوں کے آشکارا ہونے کی راہوں میں آنے والی مشکلات دم توڑ دیتی ہیں، ترقی کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں اور تعلیم و تربیت کے بلند مرتبہ ہدف میں پیش رفت کی زمین ہموار ہوجاتی ہے،اور اسی طرح مناظرہ انسان کی مختلف جہتوں کی پرورش اور اس کی حیات سے متعلق گوناگوں تجلیات میں افزودگی کا سبب بھی ہے لیکن چونکہ اس مختصر تحقیق میں اسلامی متون کے جملہ مناظروں تک رسائی کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا ہم نے حضرت امام رضا علیہ السلام کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں میں پائے جانے والے تربیتی اصولوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

امام رضا علیہ السلام کے فلسفی اور کلامی مناظروں کی روشنی میں مناظرہ کے تربیتی اسالیب:

حضرت امام رضا علیہ السلام کے متکلمانہ مناظروں کے درمیان سے متعدد تربیتی اسالیب نکلتے ہیں، اگر ان اسالیب کو اصول کے مطابق منتخب کیا جائے اور ہر اسلوب کے لیے ایک یا دو نمونہ کا ذکر بھی کیا جائے تو ان میں بعض اسالیب عام علمی مناظروں سے متعلق ہیں جبکہ بعض فلسفی اور کلامی مناظرے دین مبین اسلام سے متعلق ہیں۔

عقلی اور جدلی استدلال:

جدل ایسی علمی صناعت ہے جس کی وجہ سے مسلم مقدمات کے ذریعہ کسی بھی دلخواہ موضوع پر ثبوت فراہم کئے جا سکتے ہیں اور اپنے پہلو کو بچانے میں تناقص سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کے مناظروں میں اپنے حریفوں سے عقلی اسلوب ہی کی بنیاد پر گفتگو فرماتے تھے، آپ کے اکثر مناظرے اہل کتاب، عیسائیوں، یہودیوں، زرتشتوں اور ستارہ پرستوں سے ہوئے اور

ان میں زیادہ تر عقلی استدلال اور منطقی ثبوتوں پر مبنی تھے، آپ نے خالص اسلامی منقولات سے حتی الامکان پرہیز فرمایا، البتہ اگر مدمقابل نے کسی آیت یا روایت کا مطالبہ کیا تو آپ نے اسے بھی ضرور پیش کیا ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے مناظروں میں سب سے پہلے مد مقابل کی دلیلوں کی دھجیاں اڑاتے تھے اور انہیں تفصیل کے ساتھ نقد ونقض فرمایا کرتے تھے پھر عقلی ثبوتوں سے اپنے مدعا کو ثابت کیا کرتے تھے، مد مقابل کی دلیلوں کو بیکار بنانے کی روش کو امام رضا علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے، اس لیے کہ اکثر اوقات امام رضا علیہ السلام نے اپنے مد مقابل سے ایسے سوالات فرماتے تھے جن کے ذریعہ مد مقابل کو خود اپنی دلیلوں کی کمزوری کا اندازہ ہو جاتا تھا اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جایا کرتا تھا۔

آپ نے جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کے نظریے کو باطل کرنا چاہا تو جاثلیق کو احساس بھی نہ ہونے دیا کہ اس کی دلیل کو کاٹا جائے گا اور وہ اپنی ہی دلیلوں کی کھائی میں گر کر لوگوں کی ہنسی کا سبب بن گیا۔

''حضرت امام رضا علیہ السلام نے جاثلیق سے فرمایا: اے مسیحی بخدا ہم محمدؐ پر ایمان رکھنے والے حضرت عیسیٰؑ پر یقین رکھتے ہیں، اور تمہارے حضرت عیسیٰؑ سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے، البتہ وہ نماز روزہ میں سُستی برتا کرتے تھے!

جاثلیق اس حربہ کو سمجھ نہ پایا اور فوراً آگ بگولہ ہو کر بولا: خدا کی قسم یہ بات کہہ کر آپ نے خود کو میری نظر میں گرا دیا اور اپنے تمام علم کی لٹیا ڈبو دی، میں تو سمجھتا تھا کہ سارے مسلمانوں میں تم ہی سب سے بڑے عالم ہو!

حضرت امام رضا علیہ السلام بڑی ہوشیاری کے ساتھ خود اسی سے معلوم کرتے ہیں کہ تجھے میرے علم کی کمزوری کہاں نظر آئی؟

جاثلیق جو ابھی تک امام رضا علیہ السلام کے مقصد کو نہیں سمجھ سکا تھا جواب دیتا ہے: اسی بات سے کہ تم نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہا کہ وہ نماز روزہ میں سُستی برتا کرتے تھے، آپ کو معلوم ہی نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی خالص عبادت کا تو یہ عالم تھا کہ وہ پوری رات نماز پڑھتے تھے اور سال کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔

یہ سنتے ہی حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک ایسا عقلی سوال قائم کر دیا جس سے

حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کے نظریے اور عیسائیوں کے تثلیث والے عقیدے کی بنیادیں مسمار ہوگئیں ، آپ نے دریافت فرمایا: وہ کس کے تقرب کے لیے نماز روزہ انجام دیا کرتے تھے؟

یہ سوال وہ تھا جس نے جاثلیق کو گونگا بنا دیا یہیں سے وہ عالم آل محمد حضرت امام رضا علیہ السلام کا مقصد سمجھ گیا ،مگر وہ لاجواب ہو چکا تھا ،اب اس میں زبان کھولنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی کیونکہ وہ اپنے جوابوں ہی کے ذریعہ اس مقام تک پہنچا تھا ، لہٰذا امام رضا علیہ السلام کے استدلال کی روش کے آگے خاموش رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہیں آرہا تھا‘‘[۵]

تاکید کی خاطر سوال قائم کرنا :

پوچھنا ، بتانا، سوال قائم کرنا ، جواب دینا ،معمہ ایجاد کرنا اور اسے حل کرنا یہ سب مناظرے کے جزو لازم ہیں ، کسی بھی مناظرہ کے اندر جب ایک فریق سوال قائم کرتا ہے تو دوسرا فریق جواب دینے کی کوشش کرتا ہے ۔ مخاطب کو امور کی حقیقت تک پہنچانے اور اس کو اپنی فکر سے جوڑنے کے لیے امام رضا علیہ السلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مناظرہ کے دوران مخاطب سے سوالات فرمایا کرتے تھے، اس طرح کے سوالات کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ان میں سے بعض سوالات کسی مضمون کی تاکید کے لیے ہوتے تھے ، یعنی مناظرہ کے دوران کسی دلیل کی نفی یا اثبات یا وضاحت کے لیے کئے جانے والے سوالات میں سے نہیں ہوتے بلکہ وہ ایسے سوالات ہوتے تھے کہ جن کے سبب فریق مخالف کو مناظرہ کے اندر موضوع پر باقی رکھیں اور اسے دھیرے دھیرے منزل سے قریب لے آئیں ۔

امام علیہ السلام مناظرے کے دوران مختلف مسائل کے اندر اپنے فریق کو جواب دینے کے بعد اپنی دلیل کے آخر میں فریق مخالف سے پوچھا کرتے تھے : **"افهمت؟"** ’’ کیا تم سمجھ گئے؟‘‘[۶] فریق مخالف جواب میں یاہاں کہتا یانہیں ، یا پھر مزید وضاحت کی درخواست کرتا، اس طرح امام علیہ السلام اپنے مخاطب کو متوجہ رکھا کرتے تھے، مناظرہ کے موضوع کے سلسلے میں بعض سوالات اس قسم کے ہوتے تھے کہ مخاطب سے مزید توجہ کا مطالبہ کیا جاتا تھا، جیسے راس الجالوت سے بحث کے دوران اس سے کتاب ’’اشعیای نبی‘‘ کے بارے میں آگاہی یا عدم آگاہی کے متعلق سوال فرماتے ہیں تو وہ

کہتا ہے کیوں نہیں میں نے اس کے حرف حرف کو پڑھا ہے، یہ سب معلوم کرنے کے بعد امام علیہ السلام یا خود اس متن کو پڑھ کر سناتے یا پھر کسی دوسرے سے فرماتے کہ اس کی مطلوبہ عبارت کو پڑھ کر سنائے ، ایسا کرکے امام علیہ السلام مخاطب کو اعتماد میں لے لیا کرتے تھے اور اسے سمجھا دیا کرتے تھے کہ میں تمہاری علمی کتابوں سے واقف ہوں، مخاطب کو بھی امام علیہ السلام کے علم پر بھروسہ ہو جاتا اور وہ ان کی باتوں پر دل سے اعتبار کرنے لگتا۔

مدمقابل کی قبول کردہ چیزوں پر تکیہ کرنا :

اس روش کے اندر انسان اگر مخاطب کے نظریات کو قبول نہ بھی کرتا ہو تو شروع میں اس کو بطور فرض تسلیم کر لیتا ہے اور اسی کو بنیاد بنا کر دلیل قائم کرتا ہے اور موقع پڑنے پر اسی نظریہ کے کمزور اور غیر معتبر ہونے کو ثابت کر دیتا ہے۔ مناظرہ کا مطلب مخاطب کے مسلمات کی روشنی میں اس کو کسی مشترک نکتہ تک لانا ہوتا ہے اس کے لیے بھی ایک مشترک لفظ استعمال کر کے مخاطب کو راستہ پر لگانے کے بعد اس کے نظریہ کی تردید یا اصلاح کی جاتی ہے۔

الٰہیات ، نبوت، امامت اور دیگر مسائل کے سلسلے میں انجام پانے والے مناظروں کے اندر امام رضا علیہ السلام کا یہی طریقہ رہا ہے کہ آپ مدمقابل کے نظریہ کو رد کرنے کے لیے یا اس کی اصلاح کرنے کے لیے پہلے اس کے مسلمات کو بطور فرض تسلیم کر لیا کرتے تھے اور پھر عقلی دلیلوں کی روشنی میں اپنا مدعا ثابت فرمایا کرتے تھے اگر کسی منقول ثبوت کو پیش کرنے کا موقع آجاتا تو پہلے ان کو اختیار فرماتے جو عقل کے مطابق ہوتے اور بدیہیات میں سے ہوتے ، دوسرے مدمقابل کے قبول کردہ یا بتائے ہوئے منابع سے پیش کرتے جس طرح یہودیوں کے لیے توریت اور عیسائیوں کے لیے انجیل سے اور غیر شیعہ مسلمانوں کے لیے قرآن اور اپنے شاگردوں کے لیے حدیثوں اور آیتوں سے دلیل فراہم فرماتے۔کتاب الاحتجاج ، طبرسی؛ ۱۳۸۵، ترجمہ جعفری، ج/ ۲ ص ۵۲۴ میں اس طرح تحریر ہے کہ:

> ”مامون جاثلیق سے امام رضا علیہ السلام کا تعارف کرانے کے بعد ان سے مناظرہ کی دعوت دیتا ہے تو جاثلیق جواب میں کہتا ہے : ”میں اس شخص سے کیسے مناظرہ کروں جو ایسی کتاب سے دلیل دے گا جسے میں تسلیم نہیں کرتا اور جو ایسے نبی

کی باتوں کو دلیل بنائے جس پر میرا یقین نہیں ہے۔"

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اے نصرانی سن! اگر میں نے تجھے انجیل سے دلیل دی تو کیا تو اسے قبول کرے گا؟ جاثلیق نے قسم کھا کر کہا اگر میرے خلاف بھی ہوئی تو بھی اسے ضرور قبول کروں گا۔

یہ بات یقینی طور پر واضح ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا توریت، انجیل اور زبور سے دلیل پیش کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آج کے دور میں موجود نسخوں کے اندر ان کے تمام مطالب وحی والے اور غیر تحریف شدہ ہوں اگر چہ امام رضا علیہ السلام نے جاثلیق والے مناظرہ کے آخر میں اس کی تمام دلیلوں کو عقلی طریقہ سے باطل کر دیا تھا لیکن مناظرہ کی ابتدا انجیل کی بنیاد سے ہوئی تھی، کیونکہ یہ وہ کتاب تھی جس کو ان کا مد مقابل تسلیم کرتا تھا، دوسرے مقام پر جب امام رضا علیہ السلام رأس الجالوت سے ان لوگوں کے بارے میں مناظرہ فرماتے ہیں جنہیں جناب حزقیل نبی نے خدا کے حکم سے زندہ کر دیا تھا، آپ نے رأس الجالوت کو خطاب کر کے فرمایا: ذرا غور سے سنو کیا میں توریت کی اس سِفر کو صحیح پڑھ رہا ہوں؟ پھر آپ نے توریت کی چند آیتوں کو خوش الحانی کے ساتھ اس طرح عمدہ انداز میں قرائت فرمایا کہ رأس الجالوت جھوم اٹھا۔[۷] آپ نے اس طرح ان کو یہ دکھا دیا کہ تحریف شدہ توریت کے حوالے سے بھی وہ لوگ عالم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سے مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے۔

اس مناظرہ کے اندر دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے نہایت عمدہ طریقہ سے یہودی اور نصرانی دانشوروں کو ان کی آسمانی کتابوں سے ناواقف ہونے کو ثابت کر دیا۔ جب آپ نے "نسطاس رومی" سے عہدین میں سے کسی ایک حصہ کے پڑھنے کا مطالبہ کیا تو اس نے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا، دوسرے مقام پر آپ نے جاثلیق سے اصلی انجیل کے گم ہونے اور چار انجیلوں کے وجود میں آنے کے واقعہ کو دریافت کیا تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے نئی انجیلوں کے اصلی انجیل سے الگ ہونے کا اعتراف کیا، البتہ جس وقت امام رضا علیہ السلام نے رأس الجالوت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کے سلسلہ میں بحث کی اور توریت کی کتاب اشعیاء نبی سے ایک آیت کی قرائت کی تو رأس الجالوت اس کی تفسیر بتانے سے قاصر رہا، پلٹ کر خود امام رضا علیہ السلام سے اس کی تفسیر بیان کرنے کی درخواست کر بیٹھا۔[۸]

مخاطب سے اقرار لینا:

مناظرہ میں جب کوئی خاص موڑ آجائے اور مخاطب کسی خاص بات پر زور دینے لگے اور وضاحت طلب کرنے لگے اور اس بات کا حوالہ دیا جانے لگے کہ مخاطب اس کو چھپا نہ سکے اس لیے کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ مناظرہ مخاطب کے تسلیم کردہ عقائد پر ہوتا ہے اسی لیے وہ طریقہ اپنایا جاتا ہے جس سے مدمقابل گریز نہ کر سکے، امام رضا علیہ السلام نے بھی اس طریقہ کو اپنایا ہے ۔ جب جاثلیق سے امام رضا علیہ السلام نے موجودہ انجیلوں کی حقیقت بیان کر دی تو اس سے ''لوقا'' ''مرقاس''، ''متی'' اور ''یوحنا'' کی شخصیت اور ان کی گواہی کے بارے میں دریافت کیا، جاثلیق نے کہا یہ تمام حضرات انجیل کے عالم ہیں اور جس چیز کی یہ لوگ تائید کریں یا جس چیز کی گواہی دیں وہ حق اور صحیح ہے، امام رضا علیہ السلام نے پھر کچھ دیر بعد حضرت عیسیٰ کی ولادت کے سلسلہ میں ان کی باتوں کا حوالہ دیا اور بتایا کہ ان سب کی باتوں میں تو اختلاف ہے اب تم بتاؤ ہم ان حضرات کی باتوں کے اختلاف کو کیسے حل کریں، جاثلیق نے کہا: ان لوگوں نے اپنی باتوں سے عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی ہے یہ سنتے ہی امام رضا علیہ السلام نے حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا: آپ لوگ بتائیے کہ کیا ابھی کچھ دیر پہلے اس شخص نے ان حضرات کے پاک اور سچا ہونے کی تائید نہیں کی تھی ؟ کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ یہ سب حضرات انجیل کے عالم ہیں اور سب کی بات حق ہے؟ جاثلیق پریشان ہو گیا اور کہا مجھے ان چاروں حضرات کے سلسلے میں معاف رکھئے میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا (صدوق؛ ۱۳۸۵) امام علیہ السلام نے گفتگو کو اسی مقام پر روک دیا کیونکہ جاثلیق پوری طرح مات کھا چکا تھا اسی لیے اس نے خاموشی اختیار کی اور بحث کے سلسلہ کو دوسروں کے حوالے کر دیا۔

مدمقابل کے پیغام کی وضاحت:

ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں اور اس میں ایک طرح سے دوگانگی پائی جاتی ہے۔

مدمقابل کے پیغام کی وضاحت والی روش میں یا مخاطب کے سوال کی تشریح والی روش کے اندر جو سوال مدمقابل کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے اس کے تمام جوانب اور پہلوؤں کی موشگافی کی جاتی ہے، اس روش میں سائل کی جانب سے سوال پیش ہونے کے بعد یا جواب دیئے جانے کے بعد دوسرا شخص اس سوال یا جواب کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے، مندرجہ ذیل اقتباس اسی روش کی

شکل ہے۔

''طواف کے دوران ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا: جواد کے معنی کیا ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری بات کے دو پہلو ہیں، اگر تمہارا سوال مخلوق سے متعلق ہے تو جواد ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی جانب سے عائد ہونے والے ہر فرض کو ادا کرتا ہو...اور اگر تمہارا سوال خالق سے متعلق ہے تو وہ اگر کچھ عطا کرے جب بھی سخی ہے اور اگر کسی چیز کو نہ دے جب بھی جواد اور سخی ہے اس لیے کہ جب بندہ عطا کرتا ہے تو وہ چیز دیتا ہے جس کا دینا اس کی ذمہ داری نہیں ہے اور وہ جب کسی چیز کو نہ دے تو وہ ہوتی ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے۔۹

مناظرہ کے اندر کسی حقیقت تک پہنچنا اسی وقت ممکن ہے جب دونوں فریق کسی ایک نکتہ پر اتفاق کرلیں، اسی لیے دونوں فریق لغت اور ادبیات کے علم سے حتماً واقف ہوں، بعض اوقات مناظرہ کے اندر کسی لفظ پر بحث ہو جاتی ہے جس کی موشگافی سے بحث کو حل کرلیا جاتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے ''اقرب'' کے بارے میں ابوقرہ کے سوال کو واضح کرنے کے لیے پہلے لفظ اقرب کی تشریح فرمائی اس کے بعد اس کے مبہم گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر ایک پہلو پر بحث کی اور مستدل ثبوت فراہم کیے (طبرسی: ۱۳۸۵، ترجمہ جعفری: ۴۰۰) اسی طرح آپ نے کلمات و حروف میں ابداع کی کیفیت کو عمران کے لیے بیان فرمایا اور ابن فضال سے ہر ایک حرف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ کون سے حروف اصلی ہیں اور کون سے حروف مختلف قوموں کی زبانوں میں مشترک ہیں اور کون سے حروف کس خاص زبان سے مخصوص ہیں۔۱۰

گفتگو کی معقول تنظیم:

بامقصد اور مفید کلام یا علمی مناظرہ کے اندر گفتگو میں الفاظ و معانی کے درمیان نظم وضبط کا ہونا بنیادی اصول مانا جاتا ہے۔ ایک علمی مناظرہ اس وقت مفید ثابت ہوتا ہے جب مناظرہ کے اندر کسی معیاری عنوان پر گفتگو ہو اور معلومات کو معقول طور پر ایک خاص نظم کے تحت پیش کیا جائے اور دلائل کا سلسلہ ایک دوسرے سے مربوط ہو، تنقید و تحلیل سلیقہ کے ساتھ کی جائے اور آخر میں کوئی مناسب نتیجہ بھی حاصل ہو۔

اگر دونوں فریقوں کی باتیں بے ربط اور ادھر ادھر کی ہوں اور اپنے ذہن میں آنے والی

باتوں کو صحیح ڈھنگ سے منظّم کر کے مخاطب کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہوں تو پھر نہ خود کچھ سمجھ پائیں گے اور نہ ہی دوسرے کو سمجھا پائیں گے۔آخر کار اس طرح کا مناظرہ بے مقصد اور غیر مفید ہو کر رہ جائے گا۔

ہربرٹ اسپنسر کہتے ہیں:مشوش ذہن رکھنے والا انسان جتنا تعلیم یافتہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی ذہنی الجھنوں کا شکار ہوتا جاتا ہے۔گفتگو کا منظّم ہونا فکر کے منظّم ہونے پر موقوف ہے لہذا مناظرہ کرنے والے دونوں فریق اپنی فکروں کو جس قدر منظّم کریں گے اسی قدر ان کے کلام میں تاثیر پیدا ہوگی اور وہ کسی نتیجہ پر پہنچ پائیں گے ۔ امام رضا علیہ السلام کے مناظروں میں اس کا ایک نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

سائل: خدا کا تعارف کرائیے اور اس کی حدود کو مشخص کیجیے

امام علیہ السلام: خدا کے لیے کوئی حد معین نہیں کی جا سکتی

سائل: کیوں؟

امام علیہ السلام: اس لیے کہ جس چیز کی حد ہو گی وہ محدود ہو جائے گی اور اسے گھیرنے والی چیز اس سے بڑی ہوگی ، جس چیز میں زیادتی کا احتمال ہو اس میں کمی کا احتمال بھی ہوتا ہے اس لیے خدا نہ محدود ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔[۱۱]

بعض اوقات امام کا کلام اس قدر منظّم ہوتا تھا کہ مخاطب گفتگو کے آخر میں خود ہی مناسب اور معقول نتیجہ نکال لیا کرتا تھا، ایسا کرنے میں اسے اپنے نظریے کے باطل ہونے کا احساس بھی نہیں ہو پاتا تھا، اس کی دوسری مثال جاثلیق کے ساتھ انجام پانے والے مناظرہ کے اندر ملتی ہے جس میں حضرت عیسیٰ کی خدائی پر بحث ہوئی تھی ، امام علیہ السلام نے اس مناظرہ کے اندر جاثلیق کی ایسی بولتی بند کی تھی کہ بحث کے آخر تک اسے محسوس نہ ہو سکا کہ انجام اس کے برعکس ہوگا۔

معقول دلائل سے باطل استدلال کی رد :

غیر سے وابستہ رہنے والی چیز اپنی ذات کے اندر آزاد نہیں ہوتی بلکہ اس کا وجود کسی ایسی چیز کا پابند ہوتا ہے جو اپنی ذات میں مستقل ہو اور کسی دوسرے پر موقوف نہ ہو اس اصول کی روشنی میں جس معلوم کا علمی وجود کسی غیر سے وابستہ ہو یعنی وہ خود معلوم بالذات نہ ہو تو اس کو کسی ایسے معلوم کا سہارا لینا پڑے گا جو معلوم بالذات ہو ، اور معلوم بالذات ایسے معلوم کو کہتے ہیں جس کی تصدیق

کے علاوہ عقل کے پاس اور کوئی چارہ نہ ہو، دوسرے لفظوں میں وہ بدیہیات اور ضروری مسائل جن کو عقلی مسائل میں مبادئ تصدیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جیسے اجتماع نقیضان ،اجتماع ضدین کا محال ہونا یا دو نقیضوں کے ارتفاع کا محال ہونا یعنی کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود بھی اور وہی اس وقت غیر موجود بھی ہو تو یہ ممکن نہیں اس طرح ان دونوں حالتوں کی نفی ممکن نہیں ، اسی طرح اگر کوئی قضیہ سچا ہوگا تو اس کا عکس نقیض بھی سچا ہوگا۔

الف:۔ برہانِ خُلف:

ایسا برہان کہ جس میں کسی عین حقیقی مقدمہ کو بنیاد قرار دے کر کوئی نتیجہ نکالے۔ برہان خلف والی روش میں پہلے حکم مسئلہ کی نقیض کو تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر آخر میں اسی تسلیم کردہ فرض کو کسی بدیہی چیز یا درست فرض کے ذریعہ ٹکرا کر تناقض پیدا کر دیا جاتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام نے بھی اس طریقہ کو اس طرح اپنایا ہے کہ آپ اپنے مخاطب کے لیے چند مثالیں اور نمونے پیش فرمایا کرتے تھے کہ جن کے اندر اپنی دلیل کی سچائی کو پیش کر دیا کرتے تھے لیکن سائل ان کی جانب متوجہ نہیں ہو پاتا تھا آخر میں آپ اس کو صحیح طریقہ سے دلیل کی صداقت کا احساس دلایا کرتے تھے اور وہ اس کی جانب توجہ بھی نہ کر پاتا تھا، پھر امام علیہ السلام اسے گہرائی میں لے جا کر چھوڑ دیا کرتے تھے، جب اسے احساس ہوتا تو پتہ چلتا کہ وہ کسی گہری دلدل میں پھنس چکا ہے جس سے نکلنے کے لیے اسے صرف امام کی بات قبول کرنے کا سہارا لینا پڑے گا۔

مندرجہ ذیل اقتباس کے اندر حضرت امام رضا علیہ السلام نے متعدد دلیلیں پیش کر کے حضرت عیسیٰ مسیح کی خدائی کے بارے میں جاثلیق کے تمام استدلالوں کے تانے بانے کو اس طرح الجھایا کہ وہ خود خدا کی وحدانیت کا اعتراف کر بیٹھا، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اس نے حضرت عیسیٰ کے سلسلے میں خدائی ایمان کو اپنے آپ ہی رد کر دیا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ مانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے؟

جاثلیق: میں یہ نہیں مانتا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے بلکہ وہ خود ہی بغیر وسیلہ کے مردوں کا زندہ کیا کرتے تھے اور اندھوں کو بینائی اور کوڑھیوں کو شفا عطا کر دیا کرتے تھے، اور یہ بات واضح ہے کہ جو ایسے اہم کام انجام دے رہا ہو لوگ اس کی بندگی کا اقرار

کریں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام: اگر ایسا ہے تو پھر الیسع بھی تو حضرت عیسیٰ کی طرح دریا پر چلا کرتے تھے اور مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے .....تو ان کے ماننے والوں پر بھی ان کو خدا ماننا ضروری ہو گیا، اس مقام پر حضرت امام رضا علیہ السلام اپنی دلیل کا سہارا نہیں لیتے بلکہ خود اس شخص سے جناب حزقیل کے ذریعہ ۶۰ سال کے بعد ۳۵ ہزار آدمیوں کے زندہ ہونے والے واقعہ کی تصدیق کراتے ہیں، یعنی عیسائیوں سے پہلے پائے جانے والے یہودیوں کی دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں اور جاثلیق سے پوچھتے ہیں کہ یہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے یا ان کے بعد؟

جاثلیق: یہ سب حضرت عیسیٰ سے پہلے گزر چکے ہیں۔

امام رضا علیہ السلام: اگر یہی طے ہو جائے کہ اندھوں کو بینائی دینے والا، مردوں کو حیات عطا کرنے والا، کوڑھیوں کو شفا دینے والا اور دیوانوں کو صحیح کرنے والا ہی خدا ہوتا ہے تو پھر جناب حزقیل اور الیسع پیغمبر کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ ان کی قوم انہیں اپنا پروردگار مانے۔

جاثلیق: نہیں میری نظر میں یہ خدا نہیں ہیں بلکہ خدا تو صرف ایک ہی ہوتا ہے۔[۱۲]

ب:۔ عدم تناقض کے بدیہی اصول سے استفادہ:

امام رضا علیہ السلام اپنے مناظروں میں مدمقابل کی دلیلوں میں پائے جانے والے تناقض کو ثابت کر کے انہیں رد فرمایا کرتے تھے، مندرجہ ذیل مثال کہ جس میں امام علیہ السلام نے سلیمان مروزی سے خداوند عالم کے علم و ارادہ سے متعلق مناظرہ فرمایا ہے امام رضا علیہ السلام کے مبادی عقلی کو استعمال کرنے کی گواہی دیتی ہے۔

"....سلیمان: ارادہ علم بھی نہیں ہے اور علم سے الگ بھی نہیں!

حضرت امام رضا علیہ السلام: تمہارا یہ کہنا کہ ارادہ علم نہیں، خود بتاتا ہے کہ وہ علم سے الگ کچھ اور ہے اسی طرح تمہارا یہ کہنا کہ ارادہ علم سے الگ نہیں، ثابت کرتا ہے کہ دونوں ایک ہیں، لہذا تمہارے دونوں جملے ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اور دونوں میں تناقض ہے۔[۱۳]

ملاحظہ فرمائیں کہ امام علیہ السلام نے اپنی اس سادہ اور بنیادی روش کے ذریعہ بتا دیا کہ:

''عینیت اور غیریت دو ایسی چیزیں ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں، کسی بھی موضوع میں دونوں کی بیک وقت نفی ناممکن ہے''سلیمان جو خود کو خراسان کے متکلمین کا سردار سمجھتا تھا، منطق کی اس آسان بحث کو عملی جامہ پہنانے سے عاجز رہا۔

''حضرت امام رضا علیہ السلام کے عقلی استدلالوں کی ایک اور مثال آپ کا یہ ارشاد ہے، جس میں آپ نے ارادہ کو حادث بتایا ہے نہ کہ قدیم، آپ فرماتے ہیں: "**الا تعلم ان ما لم یزل لا یکون مفعولا حدیثا و قدیما فی حاله واحد**" یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ کوئی قدیم اور ازلی وجود ایک ہی وقت میں مفعول، حادث اور قدیم نہیں ہوسکتا؟ آپ کا مقصد یہ تھا کہ حدوث اور قِدم ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

ج:۔ تمثیل کا استعمال:

مخاطب کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے جہاں ضرورت پڑے تمثیل سے استفادہ کریں، حضرت امام رضا علیہ السلام نے عمران کے جواب میں اس روش سے بھی استفادہ کیا ہے، عمران کا کہنا تھا کہ خداوند عالم مخلوقات کی تخلیق سے پہلے خاموش تھا، چپ رہتا تھا لیکن تخلیق کائنات کے بعد اس نے بولنا شروع کیا، امام علیہ السلام نے اس کو مثال کے ساتھ یوں سمجھایا: '' یہ نہیں کہا جاتا کہ چراغ خاموش تھا اور چپ تھا، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ چراغ نے سوچا کہ ہمیں نور عطا کرے اس لیے کہ روشنی دینا چراغ کا کام نہیں ہے......''[۱۴]

مخاطب کی زبان میں گفتگو کرنا:

امام رضا علیہ السلام مختلف مذاہب کے سر برآوردہ افراد سے مناظرہ کرتے وقت ان کی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔مختلف افراد سے روبرو ہوتے وقت آپ کی پوری کوشش ہوا کرتی تھی کہ آپ مشترک امور کا خیال رکھیں، جن میں سے ایک حوالوں کا مشترک ہونا، اور دوسرے زبان کا ایک ہونا ہے، امام علیہ السلام کا خاص طریقہ یہ تھا کہ وہ جس سے مناظرہ فرماتے اس کی مخصوص زبان کا خیال رکھتے ہوئے اسی کی زبان میں گفتگو کرتے، مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''حسن بن محمد نوفلی کہتا ہے: میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اطلاع دی کہ مامون نے مختلف ادیان و مذاہب کے افراد کو اکٹھا کر کے آپ سے مناظرہ کی درخواست کی ہے۔

حضرت نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ مامون کو اپنے کیۓ پر کب پچھتاوا ہوگا؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں! امام نے فرمایا: جب میں توریت والوں سے توریت کی زبان میں، انجیل والوں سے انجیل کی زبان میں، زبور والوں سے زبور کی زبان میں اور ستارہ پرستوں سے ان کے عبرانی آئین کی روشنی میں اور ہیربداں سے ان کی فارسی زبان میں اور رومیوں سے رومی زبان میں اور ہر اہل فن سے اس کی زبان اور اس کی اصطلاح میں بات کروں گا، جب میں ان کی دلیلوں کے پرخچے اڑاؤں گا اور ہر آدمی اپنی بات واپس لیتا ہوا نظر آئے گا۔[۱۵]

مخاطب کے حق آزادی کو ملحوظ رکھنا:

الف:۔ سوال پیش کرنے اور شروع کرنے کے لیے مخاطب کو موقع دینا: ایسے ہی ایک بے حد اہم جلسہ میں جہاں جملہ ادیان و مذاہب کے علماء و دانشور موجود تھے، امام رضا علیہ السلام نے اپنے مخاطبین کو اپنی بات رکھنے اور شروع کرنے کا پورا پورا موقع عنایت فرمایا، اس مناظرہ میں امام رضا علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ مخاطب کے سوال کرنے کے حق کو ملحوظ رکھا بلکہ پہل کرنے کا بھی بھرپور موقع دیا تاکہ وہ پوری طرح اپنی بات رکھ سکیں، چنانچہ آپ نے یہودیوں کے بڑے رہنما ''رأس الجالوت'' سے فرمایا: **"تسالنی او اسئلک؟ فقال بل اسئلک ولست اقبل منک حجة الا من التوراة او من الانجیل او من زبور داوود او ما فی صحف ابراهیم و موسی۔"** ''تم مجھ سے سوال کرو گے کہ میں تم سے سوال کروں؟ رأس الجالوت نے کہا: میں آپ سے سوال کروں گا، لیکن آپ سے توریت، انجیل، داؤد کی زبور یا موسی و ابراہیم کے صحیفوں کے علاوہ اور کہیں کی کوئی دلیل قبول نہیں کروں گا۔''

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اسے سوال کرنے کو کہا بلکہ بعد کے مرحلوں میں بھی اس کی خواہشات کا پورا بھرم رکھا، حقیقت یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے مخاطب کے لیے آزادی کی راہیں اور کھول دیں جبکہ دوسری طرف حریف مقابل آپ پر یہ کہہ کر کہ صرف اپنی دلخواہ کتابوں سے ہی آپ کی بات اور دلیلیں قبول کروں گا آپ کے حق آزادی کی راہوں کو تنگ کر رکھا تھا، لیکن امام علیہ السلام نے اسے بھی بخوشی قبول کیا اور فرمایا: **"لاتقبل منی حجة الا بما تنطق به التوراة علی لسان موسی بن عمران علیه السلام، والانجیل علی لسان**

عیسی بن مریم علیھما السلام والزبور علی لسان داود علیہ السلام

''تم مجھ سے موسی بن عمران کی توریت، عیسی بن مریم کی انجیل اور داؤد کی زبور کے علاوہ کوئی بھی دلیل قبول نہ کرنا''[۱۶]

ادیان و مذاہب کے بزرگ علماء اور سربراہوں کے ساتھ مناظرہ میں جب آپ ''جاثلیق'' ''رأس الجالوت'' اور ''ہیربذ'' کو جواب دیتے ہیں تو حاضرین سے فرماتے ہیں : اگر تمہارے درمیان کوئی اسلام کا مخالف ہے اور سوال کرنا چاہتا ہے تو بے جھجک سوال پوچھے، عمران اٹھا اور اس نے کہا : اے عظیم دانشور! اگر آپ سوال کی دعوت نہ دیتے تو میں ہرگز سوال نہ کرتا۔[۱۷]

مخالفوں کی آزادی کی پوری رعایت: ممکن ہے کہ لوگوں کو مناظرہ کے شروع میں آزادی ملے لیکن سوال کرنے کے دائرہ کو محدود کر دیا جائے اور صرف خاص خاص نکات کے جواب دینے کی بات کہی جائے ،لیکن حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے مخالفین کو پوری آزادی دے رکھی تھی اور اعلان عام تھا کہ جو بھی پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں ، سوال پوچھنے کی کوئی خاص لکیر نہ تھی جسے وہ عبور نہ کر سکیں ، چنانچہ جو شخص جس موضوع پر چاہتا تھا اپنے سوالات دریافت کرتا تھا۔

امام علیہ السلام نے یہودیوں کے بڑے رہنما جاثلیق سے فرمایا: "**یا جاثلیق سل عمّا بدأ لک**" اے جاثلیق جو تم پر روشن ہو تم جو چاہو پوچھ لو'[۱۸]

اپنے مخالفین کو اس قدر آزادی دے دینا یقیناً ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے، یہ تو صرف ائمہ معصومین علیہم السلام جیسے صاحبان علم لدنی ہی کا کام ہے کہ ایسا دلیرانہ اعلان کر سکیں، مناظرہ کرنے والے دیگر افراد کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم متعلقہ موضوع پر مسلط ہوں اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہرگز مناظرہ یا بحث میں شریک نہ ہوں۔

توجہ کرنا :

مناظرہ دو سادہ اور اہم عمل کا متقاضی ہوتا ہے ،سلیقے سے اپنی بات کہنا اور سنجیدگی سے مخاطب کی بات سننا ،انہیں دو بنیادوں میں مناظرہ کا حسن پایا جاتا ہے ،مخاطب کے سوال اور اس کی باتوں کو غور سے سننا اور اس کے سوال کے حوالے سے اظہار نظر کرنے کی بڑی اہمیت ہے ، آمنے سامنے بیٹھ کر مناظرہ کرتے وقت مخاطب کو سمجھنے کے لیے، مسئلہ اور سوال کو سمجھنے کے لیے ،دھیان دینا

بہت ضروری ہے۔ فریق مخالف سے ہماہنگی بنائے رکھنے کے لیے یہ بات بے حد ضروری ہے کہ اس کی باتوں پر توجہ کی جائے ،ظاہر ہے کہ جواب دینے والے کے لیے جو چیز سب سے پہلے ضروری ہے وہ یہی ہے کہ اس نے سوال کو خوب اچھی طرح سن اور سمجھ لیا ہو، اس عمل کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میری بات بھی سنی جا رہی ہے ، مجھے بے توجہی کا شکار نہیں بنایا جا رہا ہے۔ امام رضا علیہ السلام کے جملہ مناظروں میں اس روش کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

صاف گوئی :

امام رضا علیہ السلام کے مناظروں کے درمیان ایک بڑی اہم روش یہ ہے کہ امام علیہ السلام مسائل کو صاف وشفاف طریقہ اور لہجہ میں بیان فرماتے تھے، امام علیہ السلام اپنے مدعا کو بڑے ہی سادہ اور سلیس انداز میں پیش کرتے تھے اور ایسے فلسفیانہ دلائل سے جو کچھ خاص لوگوں کے لیے ہوں گریز کرتے تھے، جہاں کہیں بھی آپ کو یہ لگتا تھا کہ بات شاید مخاطب کو پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی وہاں متعلقہ مثالوں کے ذریعہ سے مخاطب کو سمجھاتے تھے، اگر آپ کے سوال کا مخاطب نے صحیح جواب دے دیا تو فوراً دوسرے سوال کا رخ کرتے لیکن اگر جواب غلط ہوتا تو تفصیل میں جاتے ، مثالیں دیتے اور اسی سوال پر سوال قائم کرتے تھے۔کبھی مخاطب کی کہی ہوئی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کا اقرار لیتے ، چونکہ امام علیہ السلام بحث کے مطالب پر کامل علمی دسترس رکھتے تھے اس لیے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بھی سادہ انداز میں بیان فرما دیتے تھے، ملاحظہ فرمائیں:

”ابو قرہ: کیا خدا سب سے الگ ،آسمان کے اوپر نہیں ہے؟

امام علیہ السلام: وہ زمین و آسمان کا خدا ہے ، وہ آسمان پر بھی معبود ہے اور زمین پر بھی، وہی ہے جس نے تمہیں بطن مادر میں جیسی چاہی صورت بخشی ،تم جہاں بھی رہتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، وہی ہے جس نے آسمان بنائے جبکہ وہ دھواں تھا، وہی ہے جس نے آسمان سے سات آسمان پیدا کیا وہ ہے جو عرش (کائنات کی تدبیر اور اس پر تسلط کے معنی میں) پر آیا،وہ تھا مخلوق نہ تھی، وہ ویسا ہی تھا اور کسی کا کچھ نام ونشان نہ تھا ، وہ منتقل ہونے والوں کی طرح انتقال نہیں کرتا۔ [19]

گفتگو میں تنوع (دلچسپ گفتگو)

فلسفی و کلامی مناظروں میں امام رضا علیہ السلام کی گفتگو کا اسلوب چند سادہ اصولوں پر مبنی

ہے ، پہلا یہ کہ آپ مناظرہ میں کلام کرتے وقت ایسے نہجِ گفتگو سے بیزار تھے جو مخاطب کی تھکن کا باعث ہو ، یہاں تک کہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ حاضرین جلسہ بھی بحث و مباحثہ میں کلام کے ایک ہی پیرائے میں ہونے کے سبب تھکن کا احساس نہ کریں، ساتھ ہی موضوع کا پورا پورا حق بھی اس طرح ادا کرتے تھے کہ ایک بھی لفظ موضوع سے بھٹکنے نہ پائے ، اپنے اصلی مخاطب سے سوال کرنے کے بجائے دوسرے مخاطبین سے متعلقہ موضوع کے متعلق اطلاعات اکٹھا کرتے تھے۔ جاثلیق سے مناظرہ کرتے وقت اچانک بحث و مباحثہ کے درمیان نسطاس رومی سے مخاطب ہوتے ہیں اور اس سے توریت و انجیل (عہدین) کے کچھ حصے پڑھنے کو کہتے ہیں اور اس طرح اسے بھی مناظرہ میں شامل کرتے ہوئے جاثلیق کی ایک ہی پیرائے کی تھکا دینے والی گفتگو کا رخ موڑ کر حاضرین کو چونکا دیتے ہیں۔یا رأس الجالوت سے بحث کے دوران توریت کے بعض حصوں کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ رأس الجالوت بھی دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے۔ (یہ عمل حاضرین و سامعین کے لیے تعجب خیز و حیرت انگیز ہوتا ہے)

مخاطب کی تشویق

مناظرہ کے موثر اسالیب میں مخاطب کی تشویق کرنا بھی ایک اہم روش ہے تا کہ مخاطب بھی مناظرہ میں پوری طرح متحرک رہے ، اس اسلوب میں مخاطب کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اس کی تشویق و ترغیب کرتے ہیں اور اسے مناظرہ میں بنے رہنے کا شوق دلاتے ہیں ، مخاطب کو مرغوب کرنے کے لیے اس کی تشویق کرتے ہیں ۔حضرت امام رضا علیہ السلام بحث و مناظرہ کے درمیان اپنے حریف کی تشویق بھی فرماتے تھے اور اس تشویق کا مطلب طرف مقابل کے کلام کی تردید یا تائید نہیں ہوتی بلکہ مخاطبین کے ذریعہ مناظرہ میں بنے رہنا، ڈٹے رہنا اور موضوع پر باقی رہنے کا شوق دلانا ہوتا ہے۔امام علیہ السلام اپنی اس روش کو کبھی مطالب کی اہمیت بیان فرما کر تو کبھی مخاطب کے سوال پر ایک تفصیلی جواب عنایت فرما کر انجام دیا کرتے تھے ،مذکورہ بالا دونوں موارد کے کئی نمونے تاریخ میں موجود ہیں۔

مخاطب کی ترغیب وتشویق میں سب سے پہلے مخاطب کے مطالب کی اہمیت سمجھنا ہے؛امام علیہ السلام عمران صابی سے مناظرہ کرتے وقت اس کے ایک سوال کے جواب میں ایک طولانی گفت

وشنود کے بعد اس کی تشویق فرماتے ہیں اور اسے غور وفکر کی دعوت بھی دیتے ہیں؛

عمران نے پوچھا: خداوند عالم کہاں ہے؟ کیا کوئی چیز ہے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے؟ کیا اس میں کوئی تبدیلی بھی آتی ہے؟ اور کیا وہ کسی چیز کی ضرورت بھی رکھتا ہے؟

امام نے فرمایا: یقیناً میں تمہارا جواب دوں گا اور چاہوں گا کہ خوب غور سے میرے جوابات سنو کیونکہ تمہارے سوال میں بے حد اہم مسائل ہیں جن کے سلسلے سے کچھ ایسے سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں کہ جو فکروں کو شک اور تردد میں ڈال سکتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ان حقیقتوں تک پہنچ سکیں لیکن صاحبان عقل وخرد تو بہر حال ان حقائق کے ادراک کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔

سوال پر سوال

امام رضا علیہ السلام کے مناظروں کا طریقہ خطابت یا معلّمی جیسا ہر گز نہیں رہا کہ وہ کرسی پر ایک استاد کی طرح ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں اور ان کے شاگرد آ آ کر سوالات دریافت کرتے رہیں اور یہ جوابات دیتے رہیں یا سامنے والے کا امتحان لینے کے لیے خود اس سے کوئی سوال کر بیٹھیں بلکہ وہ اور حریف مقابل امور مناظرہ میں یکساں عمل جاری رکھتے ہیں۔لیکن امام رضا علیہ السلام اپنے حریف مقابل پر چند خصوصیتوں کے حامل نظر آتے ہیں، بلکہ ایک ایسے راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں جو مسلسل اپنے مخاطب کو دعوت فکر دیتا ہے اور اس کی خوابیدہ فطرت کو بیدار کرتا ہے۔ اور ہر ایک سوال کے ذریعہ اپنے مخاطبوں اور شاگردوں پر علوم و معارف کا ایک نیا باب کھول دیتے ہیں جس سے موضوع کے ان گوشوں کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے جن سے وہ غافل رہتے ہیں۔

عمران صابئ نے پوچھا: خدا مخلوقات کے پیکر میں ہے یا مخلوقات اس کے پیکر میں ہیں؟

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ مخلوقات کے پیکر میں آئے یا مخلوقات اس کے پیکر میں آئیں۔ میں بہت جلد تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا۔لیکن تم تصور کرو کہ تم نے اپنے ہاتھ میں آئینہ لیا ہوا ہے اور اپنی صورت دیکھ رہے ہو، اب تم بتاؤ کہ تم آئینہ میں ہو یا آئینہ تم میں ہے؟ (عمران سوال کے جواب میں امام علیہ السلام کا پہلا سوال) اور جب یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو تم کس طرح یہ استدلال کرتے ہو کہ جو صورت آئینہ میں ہے وہ تمہاری

ہے؟(پہلے سوال کے جواب میں عمران کی رہنمائی کے لیے امام علیہ السلام کا دوسرا سوال)

عمران نے کہا: تجلیات کے سبب میں ایسا استدلال کر رہا ہوں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: کیا آئینہ میں پائی جانے والی تجلی تمہاری آنکھوں کی تجلی سے زیادہ ہے؟

عمران نے کہا: ہاں

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: پھر اپنی اس زیادہ تجلی کو مجھے دکھاؤ

عمران کوئی جواب نہ دے سکا۔۲۰

ذرا سی توجہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے پہلے حریف مقابل کے استدلال کو پوری طرح سمجھ لیا تھا پھر منطقی اور قابل فہم طریقہ سے اس کے تمام ارکان کی تنقید کرتے ہیں اور اس سے نکلنے والی تمام شقوں کو مشخص کرتے ہیں، اور مخاطب کے استدلال کو رد کرنے کے لیے اسی وقت اسی کے ساتھ اسی جیسا استدلال پیش کر کے جس غلط نتیجہ تک وہ پہنچا تھا اسے واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔۲۱

امام رضا علیہ السلام کے بعض مناظروں میں یہ ملتا ہے کہ وہ اپنی جانب سے مخاطب سے سوال کے ذریعہ مناظرہ شروع کرتے ہیں تا کہ اس شخص کو بحث میں داخل کریں پھر اپنے نکات بیان فرماتے ہیں اور حریف مقابل کے نکات کی تحقیق وجستجو کرتے ہیں تا کہ اسے باطل کریں؟۲۲ اور اس طرح زندیق کے ساتھ مناطرہ کا باب وا ہوتا ہے تا کہ وہ بھی خدا کے مکان وغیرہ کے بارے میں اپنے سوالات حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کر سکے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے علم اور اپنی فہم وفراست سے جملہ مخاطبین کو سوال پوچھنے کی تشویق کرتے ہیں اور کبھی مخاطب کی کم علمی کے سبب اسے زیادہ جاننے اور درک و دریافت کرنے پر ابھارتے ہوئے اس سے سوال کرنے کو کہتے ہیں۔کبھی ان بے نظیر جملوں کہ **"جو پوچھنا ہو پوچھ لو"** سے مخاطب کو سوال کی آزادی عطا کرتے ہیں اور بعض اوقات یہ کہہ کر کہ **"تم نے پوچھا ہے تو خوب غور کرو"**۲۳ اپنے حریف مقابل کو سوال کرنے پر تشویق کرتے ہیں۔منجملہ گفتگو کا یہ انداز جسے اصطلاحاً "خوش سازی کلام" گفتگو کو دلچسپ بنانا کہتے ہیں بے حد اہمیت کا حامل ہے جس کے ذریعہ ایک مربی اپنے شاگردوں کے اندر سوال کرنے کی روح کو بیدار کرنے کے لیے کام میں لاتا ہے۔

فریق مخالف کی استعداد کے مطابق دلائل پیش کرنا

مناظرہ کا ایک بنیادی اصول انصاف ہے، انصاف یعنی جن سے مباحثہ یا مناظرہ کیا جا رہا ہے وہ ان کی فہم وفراست کے اعتبار سے کیا جائے، اور واضح رہے تمام انبیائے الٰہی کا یہی شیوہ اور طریقہ کار رہا ہے۔ ۲۴؎ روایت میں آیا ہے: **"انّا امرنا معاشر الانبیاء ان نکلم النّاس بقدر عقولھم"** اس روش میں مربی کو چاہیے کہ مخاطب کے ظرف کے مطابق اس سے مناظرہ کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ توازن برقرار رہے۔ اس کے دلائل حریف مقابل کے لیے قابل فہم ہونے چاہئیں تاکہ مخاطب اپنے مقابل کے سوالات کے لیے مناسب دلیلیں پیش کر سکے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کسی بھی مناظرہ میں سب سے پہلے مخاطب کی صلاحیتوں کا اندازہ لگاتے تھے اور پھر اس کی صلاحیتوں کے مطابق برہان (دلائل) پیش کرتے تھے۔ آپ دھیرے دھیرے پرسکون انداز میں بحث ومباحثہ کو اپنی گرفت میں لیتے تھے اور مخاطب کو بڑے اطمینان سے قانع کرتے جاتے تھے۔ عمران صابئ سے مناظرہ کے وقت اس کے پہلے سوال کے جواب کے بعد اس سے پوچھتے ہیں: **"افھمت"** اور عمران جواب دیتا ہے ''جی ہاں'' اور اس طرح امام رضا علیہ السلام مناظرہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مفاہیم ومطالب کی پرتیں کھولتے چلے جاتے ہیں۔

رفاقت اور نرمی

لغت میں ''رفق'' چند معانی میں استعمال ہوا ہے: کام خراب کرنے کے مقابلہ میں کام کو بہتر طریقہ سے انجام دینا، سختی کے ساتھ پیش آنے کے مقابلہ میں نرمی سے پیش آنا، کسی کام کو انجام دینے میں اعتدال سے کام لینا، کسی بھی کام کو پوری توجہ اور اچھے طریقہ سے انجام دینا، ''مدارا'' بھی لغت میں نرمی، مہربانی اور احتیاط کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تعلیم وتربیت کی دنیا میں ان دو الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ مربی اپنے شاگردوں کو پیش نظر تربیتی اہداف کی سمت بڑی نرمی، توجہ اور خوبصورتی کے ساتھ ہدایت کرے۔ ۲۵؎ امام رضا علیہ السلام کے فلسفیانہ اور متکلمانہ مناظروں میں رفاقت اور نرمی (رفق و مدارا) مناظرہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ اور اسی اصل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مربی کو چاہیے کہ وہ مناظرہ کے جملہ مراحل میں اپنے مخاطب کے ساتھ نرمی اور عطوفت کا برتاؤ رکھتے ہوئے اس کی ہدایت کا سامان فراہم کرے۔ کسی بھی صورت میں بحث و مباحثہ

کے درمیان گفتگو کا لہجہ سخت یا حاکمانہ نہیں ہونا چاہیے ، استدلال پیش کرنے کا طریقہ ایسا ہونا چاہیے کہ مخاطب اپنے حواس نہ کھو دے ، اور اگر مخاطب کو کوئی مغالطہ ہوا ہے تو ضروری ہے کہ اس کو اس مغالطہ کی بابت نہایت نرمی سے متوجہ کیا جائے ، اس کے استدلال کے طریقوں یا بحث میں بنیادی غلطیوں کے سبب اس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا جائے کہ جو اسے ٹھیس پہنچائے ، یا اس کے لیے ایسا تکلیف دہ ہوکہ وہ ہدایت پانے سے ہی منحرف ہو جائے اور حقیقت سے دور رہ جائے۔امام علیہ السلام بھی ہمیشہ اس اصل کوملحوظ رکھتے تھے، بلکہ امام علیہ السلام میں تو بلند نظری اور وسعت قلب اس درجہ تھا کہ جب حریف مقابل اپنی غلطیوں کی جانب متوجہ ہو جاتا تھا تو امام علیہ السلام کے سامنے گریہ کرنے لگتا تھا اور اپنی غلطی پر توبہ بھی کرتا تھا ،جس کی ایک واضح مثال ملاحظہ فرمائیں:

.....ان کے اور سلیمان کے درمیان ''بداء'' بمعنی ظہور کے عنوان سے گفتگو شروع ہوئی،مصلحت کے تقاضے کی وجہ سے امام علیہ السلام نے قرآن مجید کی متعدد آیات کی تلاوت کی، جیسے "**اللّٰہ یبدؤ الخلق ثم یعیدہ**"۲۶ اور "**ویزید فی الخلق ما یشاء**"۲۷ اور "**ویمحوا اللّٰہ ما یشاء و یثبت**"۲۸ اور "**مایعمر من معمر ولا تنقص من عمرہ**"۲۹ اور اس جیسی آیتیں ، پھر سلیمان نے مامون سے کہا: اے امیرالمومنین! آج کے بعد سے میں بداً کا انکار نہیں کروں گا ، اور اسے جھوٹ (افسانہ) نہیں سمجھوں گا۳۰

انصاف کی رعایت کے لیے یاد دہانی

(مخاطب کے)سوال کے جواب میں امام علیہ السلام عناصر''علم'' اور''عقل'' کے علاوہ عنصر''انصاف'' کی بھی تاکید فرماتے تھے''انصاف کی رعایت کے لیے آپ کا صاف صاف بیان (بھی)موجود ہے(میر صفی:۱۳۸۱)اس روش میں مناظرہ کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو انصاف کی رعایت کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں ، یا مناظروں کے جلسات منعقد کرنے والے منتظمین مناظرہ کرنے والوں کو یاد دلاتے رہتے ہیں کہ انصاف کی رعایت ہرلحہ ملحوظ رہے، مختلف افراد کے ساتھ مناظروں میں امام رضا علیہ السلام کے گفتار و کردارمیں انصاف کی عملی تصویر صاف دیکھی جا سکتی ہے۔

اس کا سب سے پہلا نمونہ مسیحی، یہودی اور زرتشتی دانشوروں کے ساتھ امام علیہ السلام کے

مناظروں میں ملتا ہے، مناظرہ کے آغاز میں مامون امام علیہ السلام کا تعارف کراتا ہے اور جاثلیق جو کہ سب سے پہلا مناظرہ کرنے والا تھا اس سے کچھ اس "انصاف" کی دعوت دیتا ہے:

"اے جاثلیق! یہ علی ابن موسی ابن جعفر، میرے چچا زاد بھائی، ہمارے پیغمبر کی بیٹی جناب فاطمہ اور علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم ان سے گفتگو تو کرو لیکن دھیان رہے کہ کسی بھی لحاظ سے انصاف کی رعایت کرنا فراموش نہ ہونے پائے۔"۳۱

اس کے دوسرے نمونے عمران صابئ اور سلیمان مروزی کے ساتھ مناظرہ میں ملتے ہیں جہاں مناظرہ کے شروع ہی میں امام علیہ السلام انہیں انصاف کی رعایت کی تلقین فرما دیتے ہیں۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: "اے عمران جو پوچھنا ہو پوچھو، لیکن انصاف کی حدود سے تمہارے قدم باہر نہ نکلنے پائیں اور صحیح راستہ سے بھٹک مت جانا"۳۲

حاضرین سے اقرار لینے کی روش

یہ روش زیادہ تر وہاں استعمال ہوتی ہے جہاں مناظرہ کی جگہ کچھ سامعین و ناظرین بھی ہوں یا مناظرہ کے فیصلہ کے لیے منصفین موجود ہوں۔ حاضرین سے اقرار لینے کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب حاضرین جلسہ سے اپنی بات کی تائید کراتا ہے یا دوسرے لفظوں میں وحاضرین مخاطب کے اہم مطالب پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہیں۔ مختلف افراد اکے ساتھ امام رضا علیہ السلام کے مناظروں میں جب بحث و گفتگو طولانی ہو جاتی تھی اور اس بات کا امکان پایا جانے لگتا تھا کہ بحث طولانی ہو جانے کی وجہ مخاطب اپنی ہی کہی ہوئی بات کو بھول بیٹھا ہو یا عمداً چھپا رہا ہو یا اس سے انکار کر رہا ہو اور انصاف کی حدود سے خارج ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں حضرت امام رضا علیہ السلام حاضرین سے اس کی کہی ہوئی بعض باتوں کا اقرار لیتے تھے تا کہ اسے اسے فرار کا موقع نہ مل سکے اور اپنی ہی کہی ہوئی بات سے پلٹ نہ جائے۔ اناجیل اربعہ جو کہ "لوقا" "مرقابوس" "متیٰ" اور "یوحنا" کے ذریعہ مرتب ہوئی ہے کے بارے میں جاثلیق کے ساتھ امام رضا علیہ السلام کے مناظرہ کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام رضاعلیہ السلام: ان (علمائے انجیل) کی گواہی (شہادت) کے سلسلہ میں تمہارا نظریہ کیا ہے؟ کیا ان کی گواہی قابل قبول ہے؟

جاثلیق نے کہا: جی ہاں

حضرت امام رضا علیہ السلام مامون اور حاضرین جلسہ سے مخاطب ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: ان کے نظریہ کی گواہی دینا!

پھر جاثلیق سے فرماتے ہیں: عیسیٰ اور ان کی ماں کے بارے میں جانتے ہو کہ متی نے یہ کہا ہے کہ: عیسیٰ جو ہیں وہ داوود بن ابراہیم بن اسحاق بن یعقوب بن یہود بن خضرون کے بیٹے ہیں؟

اور مرقابوس نے کہا ہے کہ: عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں جو انسان کے ڈھانچہ میں سما کر آدمی کی شکل میں مجسم ہو گئے ہیں؟

اور لوقا نے کہا ہے کہ: عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور ان کی ماں (علیہا السلام) گوشت اور خون سے مرکب ایسے انسان ہیں جن میں "روح القدس" حلول کر گیا ہے۔ ان سب کے باوجود کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: تنہا ذات جو آسمان کی بلندیوں کی سیر کر سکتی ہے وہ وہی ہے جو وہیں سے آئی ہو، لیکن اونٹوں کی سواری کرنے والا آخری پیغمبر جو آسمان کی بلندیوں میں جاتے تھے اور وہاں سے آتے تھے۔ اس کلام کے سلسلہ میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟

جاثلیق نے جواب دیا: ظاہر ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے ہمیں بھی اس سے کوئی انکار نہیں حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: علمائے انجیل نے جناب عیسیٰ، ان کی حقیقت، ان کے نسب اور جو نسبت ان کی طرف دی ہے اس سلسلے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟

جاثلیق نے کہا: بہر حال انہوں نے جو نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دی ہے وہ جھوٹ ہے حضرت امام رضا علیہ السلام نے حاضرین کی طرف رخ کیا اور فرمایا: کیا اس سے پہلے انہیں حضرات کے لیے جاثلیق نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ لوگ دانشوران انجیل ہیں اور ان کی باتیں صحیح ہیں، اب کس جواز کے تحت یہ انہیں جھوٹا کہہ رہے ہیں؟

جاثلیق نے جب چاروں طرف سے اپنے کو گھرا ہوا دیکھا تو کہا: اے مخزن علم! مجھے ان چاروں لوگوں کے سلسلے میں معاف فرمائیں۔ ۳۳

اس روش کی بہت ساری خوبیاں ہیں جن میں سب سے پہلے تو یہ کہ مخاطب اپنی ہی کہی

ہوئی بات کا خود کو ملزم جانتا ہے اور بحث لمبی ہونے کی صورت میں جھوٹ سے بھی محفوظ رکھتی ہے، دوسرے یہ کہ جب مخاطب یہ دیکھتا ہے کہ حاضرین اس کی باتوں پر اپنا عکس العمل ظاہر کرتے ہیں تو وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کلام کو اور سجا سنوار کر پیش کرے اور حق و انصاف کی راہ سے دور نہ جائے۔

پھر یہ کہ اس روش کو اپنا کر امام علیہ السلام ایک طرف تو حاضرین کو منصفوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ امام علیہ السلام مناظرہ کے لیے منصفوں کا ایک گروہ بنا لیتے ہیں اور سچ ،جھوٹ کو پرکھنے کے لیے صرف عقل و منطق کو ہی معیار نہیں بناتے بلکہ حقیقت کو پہنچوانے کے لیے حاضرین کی تائید و تردید کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ اور دوسری طرف حاضرین کو مناظرہ کے موضوع سے جوڑے رہتے ہیں اور ایک طرح سے عقل اجتماعی کا احترام کرنا بھی سکھاتے ہیں۔

امری اسلوب کے مقابلہ میں اقناعی اسلوب اختیار کرنا :

امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانے کے جتنے بھی مناظرہ ہم تک پہنچے ہیں ہمیں یہ صاف نظر آتا ہے کہ کسی بھی مناظرہ میں امام علیہ السلام نے آمرانہ (حاکمانہ) اسلوب نہیں اپنایا ہے، اور آپ کی کوئی بھی دلیل عہدہ کی بنیاد پر منوانے والی نہ تھی، ایک ایسی روش جس سے دور حاضر کے تعلیم و تربیت میں خوب خوب فائدہ اٹھایا جاتا ہے بلکہ سب کے سب حضرت امام رضا علیہ السلام کی قانع کر دینے والی عاقلانہ دلیلوں کے سامنے سر جھکائے کھڑے نظر آتے ہیں اور عام اصطلاح میں اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں۔

کبھی نہیں دیکھا گیا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا کوئی مخاطب آپ کے سرکاری مقام و مرتبہ کی بنیاد پر آپ کی باتوں کو قبول کر رہا ہو اور خود حضرت بھی کبھی دلائل کو اس طرح بیان نہیں کرتے تھے کہ جس سے حریف مقابل کو یہ احساس بھی ہونے پائے کہ آپ اپنے منصب کا استعمال کر رہے ہیں بلکہ تمام مقامات پر حضرت امام رضا علیہ السلام عقلی دلائل، منصفانہ روش، منطقی اسلوب اور مخاطب کی گفتگو اور اس کے سوالات کو بار بار سن کر اس کے نکات کو درک و دریافت کر کے بات کو آگے بڑھاتے تھے۔ پہلے حریف مقابل کے استدلال کی بنیادوں کو کمزور کرتے پھر اپنے محکم دلائل پیش کرتے ہوئے اسے راستہ دکھاتے، اکثر مناظروں کے درمیان دیکھا گیا کہ امام رضا علیہ السلام کے دلائل اتنے محکم اور بے نظیر ہوتے تھے اور حریف مقابل کو ایسا مبہوت کر دیتے تھے کہ جب امام

رضا علیہ السلام اس سے سوال کرتے کہ ''سمجھ گئے؟'' تو مخاطب ایک معنی خیز جملہ کے ساتھ جواب دیتا کہ'' آپ پر قربان ہوجاؤں ، جی ہاں میں سمجھ گیا۔''

بہت سے ایسے لوگ بھی تھے کہ کہ جب ان پر مطالب روشن ہو جاتے تھے اورحق واضح ہو جاتا تھا تو وہ ایمانی اعتراف بھی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آج کے بعد اس موضوع میں آپ ہی کی پیروی کروں گا۔نمونے کے طور پر حضرت امام رضا علیہ السلام اور سلیمان مروزی کے مناظرہ کا آخری حصہ دیکھا جا سکتا ہے جو بداء کے سلسلے سے تھا، سوال و جواب، عقلی دلائل،آیات قرآنی اور روایات کے متعدد مراحل طے کرنے کے بعد مخاطب آپ سے کہتا ہے : '' آج کے بعد انشاء اللہ بداء کا انکار نہیں کروں گا اور اسے جھوٹ نہیں سمجھوں گا۔''۳۴ اور اسی طرح آپ کے علی بن محمد بن الجھم ۳۵ اور ابن سکیت ۳۶ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مناظرہ کی تصویریں پیش کی جاسکتی ہیں۔

نتیجہ اور اختتام

ائمہ علیہ السلام اور پیمبروں کی زندگی کا مقصد ایک ہی ہے اور اس رسالت کی اہمیت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قول سے سمجھا جا سکتا ہے جس میں آپ نے فرمایا :''**انما بعثت معلماً**'' چنانچہ ائمہ علیھم السلام کے وظائف اور ذمہ داریوں میں سب سے بڑی ذمہ داری لوگوں کی ہدایت تھی ،اورامام رضا علیہ السلام کا ہدایت کے طریقوں میں جہاں وعظ ونصیحت وغیرہ تھے وہیں ان مناظروں کا برپا کرنا بھی تھا جو مامون کی طرف سے رکھے جاتے تھے۔امام علیہ السلام نے ان تمام مناظروں میں دین اسلام کے حقیقی معارف و مفاہیم کو بیان فرمایا۔اس مقالہ میں ان مناظروں کے تربیتی اسالیب کو اجاگر کیا گیا۔یقیناً ان کے علاوہ بھی بے پناہ ایسے اسالیب ہیں جن کا استخراج واستنباط کیاجاسکتا تھا لیکن ان کو بعد کی کسی تحقیق پر چھوڑتا ہوں، اس تحقیق میں امام رضا علیہ السلام کے مناظروں سے مندرجہ ذیل چند نکات بھی ملتے ہیں۔

۱۔ جہان اسلام کے جملہ ائمہ طاہرین ہر زمانے اور ہر دور کے انسانوں کے لیے راہنما ہیں، آپ کی جانب سے آنے والے احکام کو ہم چاہے جس زاویہ سے پڑھیں کوئی فرق نہیں پڑتا،بس اتنا کافی ہے کہ انسان اپنی پاکیزہ فطرت کو خطاؤں اور گناہوں کی غلاظت سے دور رکھے تاکہ ان میں بیان ہونے والے مطالب کو سمجھ سکے۔

۲۔ہر زمانے کے معصوم اماموں نے حالات زمانہ کے تقاضوں اور مصلحتوں کے مطابق اپنی مخصوص

ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیا، ان میں کوئی بھی کسی بھی دور میں ہوتا تو وہی کرتا جو اس دور کے امام علیہ السلام نے کیا، صاف لفظوں میں یوں کہا جائے کہ امام رضا علیہ السلام کے مناظرے عہد مامون میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے امام حسین علیہ السلام کے کارنامے یزید کے زمانے میں۔

۳۔امام علیہ السلام نے مناظروں کی آڑ میں درحقیقت مسلمانوں کے امور کی اصلاح اور دین مبین اسلام کو خرافات اور تحریفات سے بچانے کا عالمانہ قدم اٹھایا، امام رضا علیہ السلام کی سیرت کے اثرات کو بعد کے ادوار میں بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو آج تک روشن ضمیر علماء کے لیے چراغ راہ بنا ہوا ہے۔

منابع

۱۔مناظرہ: ایک ساتھ مل کر کسی امر کی حقیقت و ماہیت پر غور وفکر کرنا (دہخدا،۱۳۷۷)

۲۔کارشناس ارشد (MA): تاریخ جوفلسفہ آموزش و پرورش، دانشگاہ علامہ طباطبائی، تہران solenanmovahedd@gmail.com

۳۔سورۂ نحل آیت ۱۲۵

۴۔ایضاً۔آیت ۱۲۵

۵۔طبرسی: ۱۳۸۵،ترجمہ جعفری ج ۲

۶۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی: ۱۴۲

۷۔طبرسی: ۱۳۸۵،ترجمہ جعفری، ج ۲، ۴۳۱

۸۔صدوق عیون اخبار الرضا، آقا نجفی اصفہانی، مترجم، قم نشر۱۳۸۵ء:۱۳۹

۹۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۱۶

۱۰۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۴۷

۱۱۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۰۸

۱۲۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۳۴

۱۳۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۳۴

۱۴۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۴۴

۱۵۔صدوق: ۱۳۸۵،ترجمہ آقا نجفی ۱۲۹

۱۶۔ایضاً

۱۷۔ایضاً

۱۸۔طبرسی: ۱۳۸۵،ترجمہ جعفری: ۴۳۰

۱۹۔طبرسی: ۱۳۸۵،ترجمہ جعفری: ۳۹۸

۲۰۔ایضاً

۲۱۔سید علی، روش سوال وجواب در سیرۂ آموزشی معصومان، حوزہ ودانشگاہ،ش،۲۸

۲۲۔طبرسی :۱۳۸۵،ترجمہ جعفری:۳۶۶

۲۳۔طبرسی :۱۳۸۵ ،ترجمہ جعفری:۴۴۸

۲۴۔دانشگاہ علامہ طباطبائی میں اسی محقق کے کارشناسی ارشد(MA) کاتحقیقی مقالہ دیکھیں

۲۵۔داوودی محمد،تربیت دینی ،تہران پژوھشگاہ حوزہ ودانشگاہ

۲۶۔وہ اللہ ہے جس نے خلق کا آغاز کیا ہے ، اور پھر ان کو پلٹائے گا۔(سورۂ روم، آیت ۱۱)

۲۷۔وہ خلق کو جتنا چاہتا ہے افزائش دیتا ہے۔(سورۂ فاطر،آیت ۱)

۲۸۔خداوند عالم جسے چاہے مٹاڈالے اور جسے چاہے باقی رکھے۔(سورہ رعد،آیت ۳۹)

۲۹۔اور کوئی بوڑھا ایسا نہیں جسے عمر دی جائے یا اس کے عمر سے کم نہ کیا جائے۔(سورہ فاطر،آیت ۱۱)

۳۰۔طبرسی:۱۳۸۵،ترجمہ جعفری؛ ج ر۲۔ص ۳۸۴

۳۱۔صدوق: ابی جعفر،عیون اخبار الرضاؑ، مترجم آقا نجفی اصفہانی ۱۳۸۵:۱۳۰

۳۲۔صدوق: ابی جعفر،عیون اخبار الرضاؑ، مترجم آقا نجفی اصفہانی نشربکا قم،۱۳۸۵:۱۵۴ اور ۱۴۱

۳۳۔عیون اخبار الرّضا ، ابی جعفر صدوق: ۱۳۸۵،ص ۱۳۷ مترجم آقا نجفی اصفہانی۔نشربکا،قم

۳۴۔طبرسی ۱۳۸۵ ،ترجمہ جعفری ص ۴۷۳

۳۵۔صدوق:۱۳۸۵ آقا نجفی،ص ۱۵۳

۳۶۔طبرسی:۱۳۸۵،ترجمہ جعفری،ص ۴۷۳

☆☆☆